

جماعتوں، اور بعض اوقات متضاد و متناقض رجحانات میں مصالحت و مفاہمت کی کامیاب کوشش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مولانا روم کی اس حکیمانہ وصیت پر پورا عمل تھا۔ تو برائے وصل کردن آمدی: نے برائے فصل کردن آمدی

نیز خواجہ حافظ کے اس شعر پر بھی وہ پورے طور پر کاربند تھے۔

اساتذہ دینی تفسیریں حرفِ است: بادوستاں تملطف بادشمنان مدارا۔
بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ مختلف نقطہ نظر پوری خطابت اور زور استدلال کے ساتھ سامنے آئے، اور نظر آنے لگا کہ شاید آستینیں چڑھ جائیں۔ کہ مفتی صاحب کے چند فقروں نے اس جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ مختلف جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی جیسی صلاحیت ان میں دیکھی گئی، کم قائدین میں دیکھنے میں آئی ممکن ہے بعض ”ماہرین نفسیات“ اور ناقدین اس کو ان کی کمزوری اور ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی خوش خلقی و مروت پر محمول کریں، لیکن جب ملت میں انتشار ہو مختلف جماعتیں اور مکاتب خیال کسی نہ کسی درجہ میں عصبیت سے متاثر ہوں تو ایسی ”مرجان مرج“، ”علم و بردبار اور بے ہمت شخصیت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، اور آج یہ خلا مفتی صاحب کے انتقال کے بعد نہ صرف مجلس مشاورت کے دائرہ میں (جس کا منصب صدارت ابھی تک خالی ہے) بلکہ ملت کے دائرہ میں بھی محسوس ہوتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے اتنا عرض کرتا چلوں کہ مجلس کے طویل و وسیع دوروں میں ہیں دو باتوں کی خاص کوشش کرتا تھا، ایک یہ کہ قیام (علمی، دینی اور طبغی مناسبت کی وجہ سے)، ہمیشہ مفتی صاحب کے ساتھ رہے، دوسرے مناسبتیں (خصوصاً جہزی) انھیں کی امامت اور اقتدا میں پڑھی جائیں، اس لئے کہ مفتی صاحب کی تلاوت میں بڑی حلاوت تھی، وہ بھی رفقا سفر میں مجھ پر خاص طور پر شفقت

فرماتے تھے، اور مانوس و بے تکلف تھے، اسی تعلق و محبت کی بنا پر میری درخواست پر ۱۹۷۸ء میں وہ رائے بریلی تشریف لائے اور واپس جا کر بڑی محبت کا خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص و مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی محبت اور تعلق کی بات تھی کہ انھوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی کوئی تصنیف ندوۃ المصنفین کو دو، اور اس کی طرف سے اسکی اشاعت ہو ۱۹۷۸ء کی ابتداء کا کوئی مہینہ تھا، کہ تذکیر گجرات میں محترمی مولانا غلام محمد رضا نورگت کے دولت خانہ پیرجن کا مفتی صاحب سے خاص تعلق تھا، اور میرے بھی بزرگ اور کرم فرماہیں، اس کا ذکر آیا، اور میں نے اپنی کتاب مسیحات عبدالحی عجبوا انھیں دنوں میں مرتب و مکمل ہوئی تھی۔ ندوۃ المصنفین کو پیش کرنے کا وعدہ کیا مفتی صاحب نے اس پر اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ وہ نومبر ۱۹۷۸ء میں ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہو گئی، مجھے بھی مفتی صاحب کی ایک خواہش فرمائش کی تعمیل کی مسرت و سعادت اور کتاب کو ندوۃ المصنفین جیسے موقر تصنیفی ادارہ کی مطبوعات میں شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی، اور وہ الحمد للہ علمی ادبی حلقوں میں پسند کی گئی، مفتی صاحب کی اجازت سے ادارہ نشریات اسلام نارتھ ناظم آباد نے اس کا پاکستانی ایڈیشن بھی شائع کیا۔

مفتی صاحب اخیر میں چند شدید بیماریوں کا شکار رہے، لیکن مزاج میں جو مروت اور لینت، پُرانے تعلقات کا پاس و لحاظ اور اخلاق و ایثار کا جو جوہر تھا وہ ضروری آرام و احتیاط میں بھی غفل ہو جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے بہت سے قدیم عارض اور جدید تکلیفوں کے باوجود دار المصنفین کے اس سمینار میں شرکت ضروری سمجھی جو اسلام اور مشرقین کے عنوان پر ۲۶ - ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ ۲۱ - ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو دار المصنفین کی طرف سے اس کے زیر اہتمام

شبلی نیشنل پوسٹ گزٹ بحویٹ کالج اعظم گڑھ میں منعقد ہوا، اسی سفر سے واپسی پر دریا آباد کے اسٹیشن پر ان پر اچانک فوج کا حملہ ہوا، یہ انتظام غیبی تھا کہ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی اور چند غلص احباب و رفقا خاص ہمسفر تھے، لکھنؤ کے طبی امداد کے اسٹیشن پر پہنچ جانے کی اطلاع کر دی گئی، وہاں مفتی صاحب کو اتار لیا گیا، مفتی صاحب کے نیاز مندوں اور ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے احباب و خدام نے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا، اور حصول سعادت اور خدمت کو غنیمت سمجھا، راقم سطور بھی لکھنؤ میں موجود تھا، وہ بھی اس سعادت میں شریک رہا، مفتی صاحب کو بلرام پور ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ نے دین و ملت کے اس ”ہما“ کی پذیرائی میں کوتاہی نہیں کی، جو قسمت سے اڑ کر ان کے پاس پہنچ گیا تھا، خیال تھا کہ جب تک آرام نہ ہو جائے مفتی صاحب یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، لیکن گھروالوں کا تقاضہ غالب آیا اور یہ خیال ہوا کہ ان کا حق زیادہ ہے اور شاید وہاں مفتی صاحب کو قلبی و روحانی سکون اور طمانینت ملے اس لئے بادل ناخواستہ یہ جدائی گوارا کی گئی، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ سعادت مقرر آگئی، جس کے متعلق فرما دیا گیا ہے کہ

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

اور نہ صرف ندوۃ المصنفین بلکہ وہ سب دینی ادارے جس کے وہ رکن و مشیر اور معاون و رفیق تھے، نہ صرف دہلی جوان کا مسکن اور دیوبند جوان کا وطن تھا، بلکہ برصغیر ہند (ہندوستان و پاکستان) ان کی رہنمائی، احسانیت رائے سلامت فہم اور مختلف انجیال لوگوں میں وصل و جمع کی صلاحیت سے محروم ہو گیا، رحمۃ اللہ رحمتہ واسعہ

مفتی صاحب کے لئے تقدیر الہی میرے لئے توفیق و سعادت کی بات

تھی کہ مفتی صاحب کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو میں حجاز مقدس میں تھا، مجھے دہلی کے ٹیلیفون سے اس کی بروقت اطلاع ملی، میں نے اسی وقت سعودی ریڈیو اسٹیشن سے رابطہ پیدا کیا اور عزیز مولوی نصار رفیع ندوی انچارج شعبہ اردو جدہ ریڈیو اسٹیشن کو اپنی قیام گاہ پر بلا کر مفتی صاحب کے حادثہ ارتحال اور ان کی شخصیت، خدمات و کمالات پر ٹاک ریکارڈ کرائی، جو اسی دن نشر ہوئی اور اسی کے ذریعہ حجاز مقدس اور سعودی عرب کے دوستوں اور اہل تعلق کو حادثہ کا علم ہوا مجھ سے جو کچھ بن آیا۔ مفتی صاحب کے رفیع درجات کے لئے دُعا اور طواف کی سعادت حاصل کی اور اپنے غلص احباب کو بھی اس کی ترغیب دی۔ اندازہ ہے کہ بہت سے غلصین نے یہ سعادت حاصل کی، اور مفتی صاحب کے لئے دُعا و طواف کے ذریعہ ایک جلیل القدر عالم اور خادم ملت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کر کے اپنے لئے بھی قبولیت اور ترقی دینی کا سامان کیا، شاید کم مشاہیر و زعماء کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو، کہ اس قدر جلد ان کے لئے دیار مقدس میں دُعا کے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام ہوا ہو۔

وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ — — —



The Saudi Arabian Ambassador

Dear Madame,

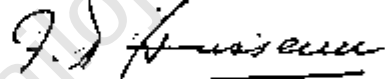
15th May 1984.

I noted with deep grief and sorrow, the demise of your late husband Mufti Atiqur Rehman.

I express my deep sorrow and sincere condolences to you and the family members on this irreparable loss of a great man who had rendered innumerable services to Islam and to the muslims.

I pray to God that his soul may rest in peace.

Yours sincerely,



Fouad S. Husseini

TO:

Mrs. Atiqur Rehman
Maktaba Burhan
Urdu Bazar
Delhi-110006

حکیم شریف الدین بقائی
 رحمہ اللہ



پروقتار شخصیت، سفید لباس، مناسب قد، سیاہ ادبچی بار کی ٹوپی، پیکر اخلاق یہ تھی مفتی صاحب کی شخصیت، جیسا کہ سب سے پہلے بچپن میں میں نے انھیں دیکھا یہ غالباً ۳۵، ۳۶ سال پہلے کی بات ہے میسر والد حکیم شریف الدین بقائی حسنا کے پاس دو اخلائے میں اکثر حضرت تشریف لاتے اور نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، دوران گفتگو کبھی میں نے مفتی صاحب کو تیز آواز میں بولتے یا ہنستے نہیں دیکھا، مجھ سے بھی نہایت مشفقانہ انداز میں خیریت دریافت کرتے، میرے دل میں حضرت کیلئے بیحد احترام اور محبت پیدا ہو گئی۔ میں اسکول کی منزلوں سے گذر کر کالج تک پہنچا، پری میڈیکل کے بعد میڈیکل کالج میں داخلے کے لئے مختلف جگہوں پر درخواستیں اور کوششیں کیں، یہ اگست ۱۹۶۵ء کی بات ہے، اچانک ہندوستان اور پاکستان میں کشمیر کے مسئلہ کو لیکر اختلافات شروع ہو گئے۔ اور اگست کے اخیر میں پہلی ہند پاک جنگ شروع ہو گئی جس میں ہندوستان نے لاہور پر اور پاکستان نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کو کشمیر میڈیکل کالج سے داخلے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیگرام موصول ہوئی دل کی کیفیت عجیب کہ داخلہ بھی ملا تو ایسی حالت میں کہ گھر والے کسی قیمت پر بھی نہیں راضی ہونگے، ۵ ستمبر کو جنگ بندی ہوئی اور ستمبر کے دوسرے ہفتے میں حالات